© rasailojaraid.com

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 38, Sr.No.106, 2017 pp 41 - 64

مجلۂ تحقیق
مجلۂ کلیۂ علومِ شرقیہ
جلد ۳۸، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۷ء، شمارہ ۱۰۶

اردو شاعری میں تصویر کاری اور محاکات نگاری کی روایت
(آغاز سے رومانوی تحریک تک)

ڈاکٹر تسنیم رحمان☆

Abstract:

As regard to Eulogy, Elegy and Masnavi of Urdu literature; the scenography, naturalism and reflection of society found in these geners, present strong tendency of picture curry and picturesque imagery. picturesque imagery. Pictorial imagery in Nazir Akber Abadi and Allama Iqbal's poetry are exemplary. Anjuman-e-Punjab and Romanticism gave rise to the picturesque poetry of natural phenomena. This article analgses different changes that took place in the style and topics of the picturesque images coined and adopted by the Urdu poets since the biginning of Urdu poetry upto the romantic movement.

Keywords: لفظی صورت گری۔ امیجری۔ نقش طرازی۔ مرقع نگاری

فرد کی حساسیت کی سطح گرد و پیش کے ماحول سے اثرات قبول کرنے کی سطح کو متاثر کرتی ہے۔ معاشرے کے حساس افراد تجربے کی گہرائی اور مشاہدے کی وسعت کے حامل ہوں تو نہ صرف معاشرے سے متاثر ہوتے ہیں بلکہ اس پر دوررس اثرات مرتب کرنے کی قابلیت بھی رکھتے ہیں۔ اگر ان افراد میں شعر کی تخلیق کا وفور بھی موجود ہو تو خارجی اثرات اور داخلی احساسات کی آمیزش سے قوتِ متخیلہ لفظی صورت گری کا وظیفہ انجام دیتی ہے۔ شاعری میں اظہار کے متنوع قرینے ہیں۔ تصویر کاری اور محاکات نگاری ان متنوع فنی وسائل میں سے ہیں۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج (خواتین) وہاڑی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصویر کاری واقعے یا منظر کا لفظی نقشہ ہے جو شعر اور نثر میں یک ساں طور پر رائج ہے جب کہ محاکات تصویرِ محض سے اگلا قدم ہے جس میں مجرد احساسات و کیفیات کو متخیلہ کی کاری گری لفظی تصویروں میں پیش کر سکتی ہے۔ تصویر کاری اور محاکات نگاری کا سارا عمل انسان کے حیاتی نظام کی عطا ہے۔ شاعر جیسے جیسے کسی واقعے یا منظر پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے، اس سے وابستہ تصویریں اس کے لاشعور سے ابھر کر سامنے آتی رہتی ہیں اور اس کے تخلیقی تجربے کا حصہ بنتی رہتی ہیں۔ شبلی نعمانی ''شعر العجم'' میں محاکات اور تصویر کاری میں فرق کچھ یوں بیان کر رہے ہیں:

> ''تصویر اور محاکات میں یہ فرق ہے کہ تصویر میں اگر چہ مادی اشیا کے علاوہ، حالات یا جذبات کی بھی تصویر کھینچی جا سکتی ہے...تاہم تصویر ہر جگہ محاکات کا ساتھ نہیں دے سکتی، سیکڑوں گونا گوں واقعات، حالات اور واردات ہیں جو تصویر کی دست رس سے باہر ہیں۔'' (۱)

اردو شاعری میں تصویر کاری اور محاکات نگاری کا جائزہ لیا جائے تو اس کے تمام سفر میں یہ رجحان دکھائی دیتا ہے۔ اردو شاعری کے قدیم ترین اور ابتدائی مراکز میں مثنوی نگاری کا آغاز ہوا۔ مثنوی کا فن تصویر کاری اور محاکات نگاری سے بے گانہ رہ کر تکمیل و تاثر کی خوبی حاصل نہیں کر سکتا۔ مثنوی کے بعد مرثیے اور قصیدے میں اور پھر بعض شعرا کے انفرادی رنگ اور اردو ادب میں رونما ہونے والی بعض تحریکوں کے زیرِ اثر اس رجحان کو فروغ ملا۔ مثنوی کی صنف فارسی سے اردو میں پہنچی اور اردو کی قدیم ترین صنفِ سخن کا درجہ رکھتی ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے اس میں طوالت کی کوئی قید نہیں اس لیے طویل حکایات، رزم و بزم اور داستانوں کے لیے اس سے بہتر صنف کوئی نہیں۔ فکری و فنی حوالے سے مثنوی کی وسعت اور ہمہ گیری کے حوالے سے شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

> ''انواعِ شاعری میں یہ صنف تمام انواعِ شاعری کی بہ نسبت زیادہ وسیع، زیادہ ہمہ گیر ہے۔ شاعری کے جس قدر انواع ہیں سب اس میں نہایت خوبی سے ادا ہو سکتے ہیں۔ جذباتِ انسانی، مناظرِ قدرت، واقعہ نگاری، تخیل؛ ان تمام چیزوں کے لیے مثنوی سے زیادہ کوئی میدان ہاتھ نہیں آ سکتا۔'' (۲)

دکن کی ریاستوں میں مقیمی کی ''چندر بدن و مہیار''، نصرتی کی ''علی نامہ'' اور ''گلشنِ عشق'' آغاز میں لکھی گئی قابلِ ذکر مثنویاں ہیں۔ ان میں ''چندر بدن و مہیار'' کو قدیم ادب میں کلاسک کا درجہ حاصل ہے۔ ان مثنویوں میں مناظر کے بیان میں شان دار مرقعے تخلیق کیے گئے۔ دکن کے حکمران نہ صرف شعرا کی حوصلہ افزائی کرتے بلکہ ان میں سے اکثر خود بھی اچھے شاعر تھے۔ محمد قلی قطب شاہ نے بھی اپنی مثنویوں میں تصویر کاری کے عمدہ نمونے تخلیق کیے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری ان کی منظر نگاری کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''محمد قلی قطب شاہ منظر نگاری میں کمال رکھتا ہے۔ وہ خارجی مناظر کے اجزا کو اس طرح ترتیب دیتا ہے کہ ایک مرقع بن جاتا ہے۔ مناظر میں اسے روشنی اور چکا چوند کر دینے والی اشیا زیادہ پسند ہیں۔ اس کے امیجز تاریک، نیم تاریک یا نیم روشن نہیں۔ اس کی پوری امیجری تیز روشنی اور بھڑ کیلے رنگوں کا اظہار کرتی ہے۔'' (۳)

غواصی کی ''سیف الملوک'' اور ''طوطی نامہ''، رستمی کی ''خاور نامہ''، نشاطی کی ''پھول بن''، سراج کی ''بوستانِ خیال'' دکنی دور میں لکھی گئیں مشہور مثنویاں ہیں۔ ملا وجہی کی مشہورِ عام مثنوی ''قطب مشتری'' ہے۔ ان مثنویوں میں تصویر کاری اور محاکات نگاری کے نمونے جا بجا مل جاتے ہیں۔ درحقیقت تصویر کاری اور مثنوی لازم و ملزوم ہیں۔ ''کاشف الحقائق'' میں مثنوی نگار کے لیے دیگر لوازمات کے ساتھ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ:

''اسے مصورِ عالم ہونا بھی درکار ہے۔ اگر بندشِ مضامین میں اسے مصوری کی قدرت نہیں ہے تو اس کی مثنوی نگاری لطفِ کمال نہیں دکھا سکے گی۔'' (۴)

دکنی مثنویوں میں سراج کی ''بوستانِ خیال'' بہترین مثنوی ہے۔ اس مثنوی میں منظر کی تصویر کشی اور محاکات نگاری کی فنکارانہ مثالیں موجود ہیں۔ عبدالقادر سروری اس مثنوی کی شاعرانہ مصوری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اس مثنوی کا لطف مناظر کے مصورانہ بیانات، مرقعوں اور جذباتِ انسانی کی صحیح تصویر کشی میں ہے۔'' (۵)

میرؔ کے ہم عصر شعرا میں میر اثرؔ کی مثنوی ''خواب و خیال'' خاصی شہرت کی حامل ہے۔ دلی میں میر تقی میرؔ نے کثیر تعداد میں مثنویاں لکھیں، جن میں ''شعلۂ عشق'' اور ''دریائے عشق'' کو زیادہ پذیرائی ملی۔ ''دریائے عشق'' اپنی سلاست کی وجہ سے منفرد مقام رکھتی ہے۔ اس مثنوی کے حوالے سے امیر علوی کہتے ہیں:

''افسانے دل چسپ نہ سہی دردناک ہیں۔ حکایتیں طویل نہ سہی نتیجہ خیز ہیں۔ جذبات کی مصوری اور مناظر کی نقاشی ہے۔'' (۶)

جب دلی اجڑنے لگی تو دلی کے شعرا اودھ کے حکم رانوں کی سرپرستی میں آ گئے اور یہ جگہ سارے ہندوستان کے اچھے شاعروں کا مرکز بن گئی۔ اردو شاعری کی جدید انداز کی مثنویاں یہیں تخلیق ہوئیں۔ میر حسنؔ نے ''سحر البیان'' تخلیق کر کے گویا مثنوی کا ایک معیار قائم کر دیا۔ انھوں نے فطرتِ انسانی کی عکاسی کے ساتھ ساتھ مناظر کے بیان میں جزئیات نگاری سے کام لے کر معاشرت کی چلتی پھرتی زندہ تصویریں قاری کے سامنے لا کھڑی کی ہیں۔ عابد علی عابد اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''یہ وہ معاشرہ تھا جس کی تصویر حسن نے کھینچی ہے، پھر لطف یہ ہے کہ تصویر کشی کے لیے ایک ماہر مصور کی طرح اسے بہت شوخ رنگ اور زیادہ خطوط استعمال نہیں کرنا پڑے۔ دو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تین صناعانہ خطوط لگا کر وہ پورے منظر کی تصویر تیار کر دیتا ہے۔ اس کا کمال یہی ہے کہ ایسی جزئیات انتخاب کرتا ہے جو منظر کی جان ہوتی ہیں۔'' (۷)

میر حسنؔ کی مثنوی میں کردار نگاری، جذبات نگاری اور فطری مناظر کی تصویر کشی کی عمدہ مثالیں تخلیق کی گئیں۔ روز مرہ زندگی کے واقعات کو انھوں نے حقیقی رنگوں کی تصویروں میں بیان کیا۔ پروفیسر احسان الحق کے بہ قول:

''میر حسن کی مثنوی مناظرِ فطرت کی مصوری، میلوں ٹھیلوں اور شان وشوکت کی حامل تقریبات کی جان دار تصویر کشی اور انسانی جذبات و کیفیات کی بہترین نقاشی کے سلسلے میں لاجواب سمجھی جاتی ہے۔'' (۸)

میر حسن کے بعد پنڈت دیا شنکر نسیم نے ''گلزارِ نسیم'' تخلیق کی، جسے ''سحرالبیان'' کے بعد بلند ترین مقام حاصل ہوا۔ ''گلزارِ نسیم'' میں تصویر کاری اور محاکات نگاری کے نمونے ایجاز و اختصار کے ساتھ موجود ہیں۔ واقعات و منظر نگاری میں شاعر نے چلتی پھرتی تصویریں تخلیق کی ہیں۔ امیر احمد علوی ان کی مصوری کے بارے میں یوں رائے دیتے ہیں:

''کئی دن تک غور کرتا رہا، فارسی کی گراں قدر مثنویوں میں بھی یہ سینما کی سی چلتی پھرتی تصویریں نظر آتی ہیں یا نہیں مگر کوئی یاد نہ آئی... نازک خیالی اور سخن آفرینی کے ساتھ واقعہ نگاری نسیم کا حصہ ہے۔'' (۹)

جرأت، مصحفی اور انشا نے بھی مثنوی پر طبع آزمائی کی مگر اس صنف میں کوئی قابلِ ذکر اضافہ نہ کر سکے۔ نواب مرزا شوق کی مثنویوں نے ایک دفعہ پھر قارئین کو مثنوی کی طرف متوجہ کیا۔ ان کی مثنویاں والہانہ دل چسپی سے پڑھی گئیں۔ ان کی عمدہ مثنویوں میں ''بہارِ عشق''، فریبِ عشق'' اور ''زہرِ عشق'' شامل ہیں۔ جن میں 'زہرِ عشق'' کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ شوق نے ایک حساس فنکار کی طرح اپنے دور کے معاشرے کے تاریک پہلوؤں کو اپنی مثنویوں کا موضوع بنایا۔ انھوں نے معاشرے کی جیتی جاگتی تصویریں کھینچی ہیں اور ہر منظر اور واقعے کو جزئیات کے ساتھ بیان کر کے محاکات کے عمدہ نمونے پیش کیے ہیں۔ ان کی مثنویوں پر بات کرتے ہوئے امیر احمد علوی رقم طراز ہیں:

''واقعہ نگاری اور نقش طرازی کے کمال نے خواص کی گردنیں خم کیں اور ان مثنویوں کو ایسی عام قبولیت حاصل ہوئی کہ اکثر سخن وروں کے چراغ ٹمٹمانے لگے۔'' (۱۰)

حکیم مومن خان مومن نے اپنی مثنویوں میں قلبی واردات کی لاجواب عکاسی کی۔ ان کے بعد داغ کی مثنوی ''فریادِ داغ'' اس صنف میں ایک قابلِ ذکر اضافہ ہے۔ حالی اور آزاد نے نیچریت کا ڈول ڈالا تو حبِ وطن اور مظاہرِ فطرت پر مثنویاں لکھی جانے لگیں۔ علامہ اقبال کی مثنوی ''ساقی نامہ'' اور حفیظ جالندھری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ''شاہ نامہ اسلام'' کی صورت میں اردو کی بہترین مثنویاں تخلیق ہوئیں ۔جن میں عمدہ مصوری اور محاکات کی روایت کو عروج ملا۔

مثنوی نگار سے فنِ مثنوی یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ایک اچھے مصور کی صفات رکھتا ہو تا کہ اپنے تجربات اور مشاہدات کو جزئیات کے ساتھ جان دار طریقے سے پیش کر سکے۔اردو کی یہ مثنویاں معاشرتی کوائف کی تصویروں، تہذیب و معاشرت کے مرقعوں اور مناظرِ فطرت کے خوب صورت نقشوں سے معمور ہیں۔

اردو شاعری کے ابتدائی مراکز میں مرثیے کو پنپنے کی فضا اور ماحول میسر آیا۔ دکن کے عادل شاہی اور قطب شاہی حکم ران اہلِ تشیع تھے اور ان کے دربار میں مرثیے کو بڑی اہمیت حاصل تھی ۔اپنی صنفی نوعیت میں مرثیہ نگاری کا فن شاعر سے ایک مصور کے ذہن ونظر کا تقاضا کرتا ہے۔اس کے لیے لازم ہے کہ وہ نہ صرف جنگ کے میدان، گھوڑے، تلوار، ہیرو کا مکمل سراپا اور مقابلے کی جزئیات کا ایک نقشہ کھینچ دے بلکہ کرب و بلا کے رقت انگیز مناظر کی ایسی عکاسی کرے کہ معرکۂ کربلا کی حقیقی تصویریں آنکھوں کے سامنے آ جائیں تا کہ مطلوبہ تاثر حاصل ہو سکے۔عابد علی عابد اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''داستان بیان کرنے میں مرثیہ نگار اپنی قوتِ بیان کا ثبوت دیتا ہے، رزم و پیکار کی تصویر کشی میں اپنی ڈرامائی صلاحیتوں کا اثبات کرتا ہے۔'' (۱۱)

کربلائی مرثیے داستانِ کرب و بلا ہیں اور ان میں شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ قارئین اور سامعین پر زیادہ سے زیادہ رقت طاری کرے ۔کربلا کے واقعے کو دردانگیز انداز میں بیان کرنے کے لیے جنگ کی نقشہ کشی، حالتِ اہلِ بیت اور شہادت کا بیان محاکات اور شاعرانہ مصوری کے ساتھ کیا جاتا ہے، تا کہ قارئین اور سامعین اس سے مطلوبہ اثرات قبول کریں۔

دکن کے جن شاعروں نے مرثیہ نگاری میں نام پیدا کیا ان میں وجہی، غواصی اور نصرتی کے نام اہمیت کے حامل ہیں ۔دلی میں مرثیہ لکھنے والوں میں مرزا سودا اور میر تقی میر کے نام نمایاں ہیں۔مرزا سودا کے مرثیوں نے مرثیے کے خد و خال کو سنوارا۔میر ضمیر اور میر خلیق کی صورت میں اردو مرثیے کو وہ شاعر میسر آئے جنھوں نے اس کے عمدہ نمونے تخلیق کیے۔انھوں نے سراپا نگاری اور رزمیہ مناظر کے ساتھ مرثیوں کو مالا مال کیا۔بہ حیثیتِ فن مرثیہ اس دور میں خوب پھلا پھولا۔میر ضمیر کی شعری تصویروں کے بارے میں ڈاکٹر احسن فاروقی رقم طراز ہیں کہ میر ضمیر کے ہاں سراپا نگاری میں شاعرانہ مصوری کی صلاحیت کو کام میں لایا گیا ہے۔واقعہ نگاری کے ضمن میں بھی ان کے ہاں تصویر کاری ملتی ہے۔معاملاتِ رزم میں گھوڑے کے ذکر، تلوار کے بیان، جنگ کی تیاری اور جنگ کے میدان میں بھی عمدہ منظرکشی کی ہے۔(۱۲)

لکھنؤ میں میر انیس اور میرزا دبیر کا دور اردو مرثیے کا سنہری دور ہے۔ان دونوں نے اس صنف کو بامِ عروج پر پہنچا دیا۔انھوں نے اردو کے شاہ کار مرثیے تخلیق کیے۔وہ مرثیہ نگاری کو جس معیار تک لے گئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد میں کوئی شاعر اس تک نہ پہنچ سکا۔ جزئیات کی ترتیب سے میر انیس واقعے کی تصویر کھینچ کر رکھ دیتے ہیں۔ جب وہ اپنے قلم سے کسی منظر کا نقشہ کھینچتے ہیں تو ایسے برمحل الفاظ وتراکیب اور تشبیہات واستعارات کام میں لاتے ہیں کہ اس منظر کو آنکھوں کے سامنے زندہ کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر احسن فاروقی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''میر صاحب شاعری سے وہ کام لینا چاہتے تھے جو مصور رنگوں سے لیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے، وہ مصوری کی خاص تکنیک یعنی روشنی اور سایہ خطوط اور رنگ کی اہمیت کو بھی سمجھتے تھے اور اسی کو پیش کرنا چاہتے تھے۔'' (۱۳)

انیس نے واقعۂ کربلا کی جزئیات کو حرف والفاظ اور جذبات واحساسات کی آمیزش کے ساتھ اس طرح بیان کیا کہ مرثیہ نگاری کے فن میں سب شعرا سے آگے کھڑے نظر آتے ہیں۔ جان دار واقعہ نگاری کے ساتھ مناظرِ فطرت کی جیتی جاگتی تصاویر بھی ان کے کلام میں نمایاں ہیں۔ انیس کے ہاں مناظرِ قدرت کی مصوری کے حوالے سے آغا محمد باقر کہتے ہیں:

> ''انیس مناظرِ قدرت کی تصویر اس کمال سے کھینچتے ہیں کہ صحیح نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔ اس قسم کے مناظر اصل مضمون کے تحت بھی ہیں اور بالذات ایک مکمل چیز بھی۔'' (۱۴)

دراصل یہ تصویر کشی میں انیس کی مہارت ہی ہے کہ ان کے مرثیے دل گداز تاثر سے بھرپور ہیں۔ تشبیہ اور استعارے کے برمحل استعمال نے ان کی تصاویر کو حقیقی رنگ دیا ہے۔ انھوں نے چھوٹی چھوٹی تصویروں کو باہم ملا کر مناظر کا ایک متحرک اور زندہ سلسلہ اور محاکات نگاری کے عمدہ نمونے تخلیق کیے ہیں۔

میرزا دبیر کے مرثیوں میں تمثیل اور تشبیہ جس رنگ میں جلوہ گر ہوتی ہیں اس پر عابد علی عابد نے یوں رائے دی ہے:

> ''دبیر کے ہاں تشبیہ اور تمثیل اکثر بڑی خوبی سے بیان کی جاتی ہے۔'' (۱۵)

ان کے مرثیوں میں مناظرِ فطرت کی تصویر کشی بہت عمدگی سے ملتی ہے۔ انھوں نے اپنے مرثیوں کی تمہید میں عموماً مناظرِ فطرت، صبح یارات کی دل کشی، لفظی تصویروں میں بیان کی۔ میدانِ جنگ اور ہیرو کے سراپا کے ضمن میں بھی انھوں نے جزئیات کے ساتھ واقعات نگاری کی۔ ان کی واقعہ نگاری کی مہارت پر ڈاکٹر مظفر حسین لکھتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ واقعات کے بیان میں دبیر حیرت انگیز قوتِ مشاہدہ اور انسانی نفسیات سے واقفیت کا ثبوت دیتے ہیں...واقعہ نگاری دبیر کا مخصوص فن ہے۔ اس کی انسانی نفسیات اور ذہنی کیفیات سے واقفیت اور اسلوبِ بیان کی خوبی اسے اس صنف ادب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اپنے ہم عصر شعرا سے ممتاز کر دیتی ہے۔'' (۱۶)

میرزا دبیر نے دل کش تشبیہات کے استعمال سے مصوری کے جو نمونے تخلیق کیے اردو ادب اس وقت تک ان سے محروم تھا۔ ان کی تشبیہات کے حوالے سے یہ تبصرہ ملاحظہ کیجیے:

''میرزا دبیر نے تشبیہات و استعارات سے بڑا کام لیا ہے۔ کیوں کہ ان کی شاعری کے اہم ترین مقاصد جذبات کی مصوری اور مدحِ اہلِ بیت تھے۔'' (۱۷)

میر انیس اور میرزا دبیر کے بعد میرزا تعشق، میر نفیس، وحید، مرزا جعفر، جلیس، آنس، مونس، پیارے صاحب رشید اور شاد عظیم آبادی نے مرثیہ گوئی کی روایت کو زندہ رکھا اور واقعۂ کربلا کی تصویر کشی کی۔ شخصی مرثیوں میں غالب کی تخلیق ''عارف کا مرثیہ'' عمدہ مرثیہ ہے۔ اقبال کے مرثیے بھی الم ناک احساسات کی تصویروں سے پُر ہیں۔ مرثیے کی صنف پر آج بھی طبع آزمائی ہو رہی ہے مگر مرثیہ گوئی کو جو عروج میر انیس اور میرزا دبیر نے دیا، وہ اب ناپید ہے۔ اس صنف میں اردو شاعروں نے محاکات اور شاعرانہ مصوری کی ناقابلِ فراموش مثالیں تخلیق کی ہیں۔

اردو قصیدہ بھی محاکات نگاری کے حوالے سے خاص پہچان رکھتا ہے۔ اردو کی دیگر اصنافِ سخن کی طرح قصیدے کا آغاز بھی دکن سے ہوا۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ، نصرتی، غواصی اور وجہی دکن کے نام ور قصیدہ گو ہیں۔ قصیدے کا منشا ممدوح کے اوصاف کا بیان ہے۔ قصیدے کے اجزائے ترکیبی میں تشبیب، گریز، مدح، حسنِ طلب اور دعا شامل ہیں۔ تشبیب اپنی موجودہ شکل: غزل کی صورت میں آج بھی زندہ ہے۔ اس میں متنوع موضوعات کی گنجایش ہے۔ عموماً شاعر مناظرِ فطرت وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے گریز سے مدح کی طرف آتا ہے۔ گریز میں بھی بعض اوقات تصویر کاری یا تمثیل کے نمونے ملتے ہیں۔ مدح میں ممدوح کے حالاتِ رزم و بزم کا بیان بھی محاکات اور تصویر کاری کا مطالبہ کرتا ہے۔ بہ لحاظِ موضوع قصیدے کی بہت سی اقسام ہیں۔ جن میں سے ایک قصیدۂ بہاریہ ہے۔ اس قصیدے میں مناظرِ فطرت کی مصوری، مرقع نگاری اور تصویر کاری کی بے تحاشا گنجایش موجود ہے۔ عابد علی عابد اس امر کی تصدیق یوں کرتے ہیں:

''عام طور پر جو مشہور ہے کہ قصیدہ صرف مدحیہ ہوتا ہے، وہ غلط صریح ہے۔ قصیدے کے مطالب بھی گوناگوں ہوتے ہیں؛ تصوف، عرفان و اخلاق، ہجو، مرثیہ، شکر و شکایت، وصف، مناظرِ طبعی (منظر نگاری) واقعہ نگاری۔'' (۱۸)

ہمارے ہاں فارسی کے زیرِ اثر زیادہ تر مدحیہ قصیدے لکھے گئے۔ دکن کے شعرا میں اولیں قصیدہ گو نصرتی ہے اور اسی نے دکن کے شعرا میں اعلیٰ درجے کے قصائد تخلیق کیے۔

ولی نے بھی احباب کی شان میں کچھ قصائد لکھے ہیں۔ ولی کے قصائد ان کے روایتی اسلوبِ بیان کے مطابق اپنے اندر سراپا نگاری کی عمدہ مثالیں رکھتے ہیں۔ انھوں نے ان قصائد میں شاعرانہ مصوری کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اچھے نمونے پیش کیے۔ پھر قصیدے کے میدان میں مرزا رفیع سودا آئے، انھوں نے اپنے پیش رووں اور آنے والوں کے لیے قصیدے کا ایسا معیار قائم کر دیا، جسے ان کے سوا کوئی نہ چھو سکا۔ وہ قصیدے کے قادرالکلام شاعر ہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے فارسی شعرا کے قصائد کو اپنے لیے نمونہ بنایا۔ میر تقی میر، میر حسن، قائم چاند پوری، باقر حزیں اور بقاء اللہ بقا؛ سودا کے دور کے نمایاں قصیدہ گو ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی سودا کے قصائد کے معیار تک نہ پہنچ سکا۔ سودا نے اپنے قصائد میں اس معاشرت کے مرقعے اور تمثیل کے عمدہ نمونے تخلیق کیے ہیں۔ مولانا ضیا احمد بدایونی سودا کے قصائد میں مصوری اور محاکات کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''یہی باکمال استاد جب واقعہ نگاری پر آتا ہے تو محاکات کا حق ادا کر دیتا ہے۔'' (۱۹)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''سودا قصیدے سے واقعہ نگاری اور مصوری کا کام بھی لیتے ہیں۔'' (۲۰)

سودا نے آصف جاہ کی شان میں جو قصیدہ لکھا ہے، اس میں تصویر کاری کے عمدہ نمونے ہیں۔ خصوصاً تشبیب میں جب وہ خوشی کے لیے ایک دوشیزہ کا پیکر لاتے ہیں تو محاکات کا سماں باندھ دیتے ہیں۔ سودا کے قصائد کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر سلام سندیلوی لکھتے ہیں:

> ''ایک قصیدے میں عقل و حرص کو مجسم کر دیا ہے اور ان کے مابین ایک قسم کا مناظرہ دکھایا ہے، ایک اور قصیدے میں خوشی کو ایک عورت تصور کر لیا ہے اور اس کو ساری نسوانی خصوصیات سے منسوب کر دیا ہے۔ (۲۱)

انشاء اللہ خان انشا اور شیخ غلام ہمدانی مصحفی نے بھی اپنے دور میں قصیدہ گوئی کی۔ ان کے قصائد زبان و بیان کے اعتبار سے معیاری ہیں۔ خصوصاً انشا نے اپنے قصائد میں موسمِ بہار کے تذکروں میں مناظرِ فطرت کی عکاسی کی ہے اور جیتی جاگتی تصویریں تخلیق کی ہیں۔

غالب، مومن اور ذوق نے بھی بہترین قصائد لکھے۔ مومن نے سات قصیدے لکھے، جن میں پانچ حمد، نعت اور منقبت میں، جب کہ دو قصائد امرا کی شان میں ہیں۔ قصیدے میں علمیت کے غیر ضروری اظہار نے مومن کے قصائد کو فنی اعتبار سے نقصان پہنچایا۔ غالب کے قصائد ان کے روایتی اسلوب کے مطابق انفرادیت کے حامل ہیں۔ ان کی مدح سرائی میں بھی ان کا خاص انداز نظر آتا ہے۔ تشبیب میں فن کارانہ مہارت کے ساتھ مناظرِ فطرت کی مصوری کرتے ہیں۔ اس دور کی قصیدہ گوئی میں سودا کے بعد شیخ ابراہیم ذوق کا نام لیا جاتا ہے۔ قصیدہ نگاری میں ان کی مہارت کی وجہ سے انھیں خاقانیِ ہند کا لقب دیا گیا۔ قصائد کی تشبیبوں میں وہ برسات اور بہار کی رنگینیوں کے مرقعے پیش کرتے ہوئے تشبیہات و استعارات کے ساتھ صنعتِ حسنِ تعلیل سے کام لیتے ہیں۔ بیان کی روانی، بندش کی چستی اور الفاظ و تراکیب کے برمحل استعمال نے ذوق کے قصائد کو چار چاند لگا دیے۔ ذوق نے زیادہ تر قصائد بہادر شاہ ظفر کی مدح میں لکھے۔ ان کے ہاں زبان و بیان کا حسن، شوکتِ الفاظ، علمیت، قادرالکلامی، تخیل کی رسائی اور شاعرانہ مصوری کے کرشمے نظر آتے ہیں مگر تصویر کاری کے فن میں وہ سودا سے پیچھے دکھائی دیتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔امداد امام اثر کے بہ قول:

''سودا ایک نیچرل شاعر تھا۔اس کی فطرت نگاری کی ہوا بھی ذوق کو نہیں لگی۔''(۲۲)

قصیدے کے عروج کے دور میں سلاطین زوال کا شکار ہو گئے اور یہ صنفِ شاعری جس کا تعلق دربار سے ہے، رو بہ زوال ہونے لگی۔''کاشف الحقائق'' کے مصنف رقم راز ہیں:

''جس وقت اردو کی قصیدہ گوئی نے امتیازی صورت حاصل کی، یہاں کے سلاطین مبتلائے ادبار ہو چکے تھے۔دونوں مشہور قصیدہ گو شعرا میں سے سودا معاشی حالات کی وجہ سے لکھنؤ کا رخ کر گئے اور ذوق بھی مبتلائے افلاس رہے۔چار روپے ماہانہ تنخواہ دربار سے پاتے تھے جو آخری عمر تک جا کے سو روپے تک پہنچی۔اگر سودا نہ ہوتے تو اردو کی قصیدہ گوئی کا ذکر بھی فضول تھا، کیوں کہ فارسی میں قصیدے کے اعتبار سے جس قدر با کمال شعرا گزرے ہیں، ویسا اردو شاعری کو میسر نہ آ سکا۔''(۲۳)

اب یہ صنف زیادہ تر نعتیہ قصائد یا مناقب کی صورت میں زندہ ہے۔اس ضمن میں محسن کاکوروی اپنے نعتیہ قصائد کی وجہ سے مشہور ہیں۔ان کے قصائد میں مناظرِ فطرت کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔خاص طور پر ان کا وہ قصیدہ جس کا آغاز ''سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل'' کے مصرعے سے ہوتا ہے، تصویر کاری کی مثالوں سے معمور ہے۔امیر مینائی کے قصائد میں بھی شاعرانہ مصوری، محاکات اور مناظرِ فطرت کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔

اردو میں مثنوی، مرثیہ اور قصیدہ جیسی کلاسیکی اصناف کے علاوہ نظم کی مختلف ہیئتوں میں بھی محاکات نگاری اور منظر کشی کے بھرپور نمونے ملتے ہیں۔اس حوالے سے عوامی شاعر ولی محمد نظیر اکبر آبادی کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے۔ان کے دور میں میر و سودا جیسے شاعر موجود تھے۔ان کے ہم عصر اور ان سے پہلے کے شعرا نے بھی عوامی زندگی کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا مگر نظیر اکبر آبادی کو ان میں یہ برتری حاصل ہے کہ زندگی کی جیتی جاگتی تصویریں کثرت اور تکمیل کے ساتھ سب سے پہلے انھی کے ہاں ملتی ہیں۔

نظیر اکبر آبادی نے مروجہ فارسی اسلوب کی پیروی کی بجائے مقامی رنگ کو اپنایا، شاعری کے لیے اپنے اردگرد سے مواد لیا اور اسی کی لفظی تصویریں تخلیق کیں۔انھوں نے اپنی نظموں میں اس عہد کے عوامی طبقے کی زندگی کو مصور کر دیا ہے۔شبِ برات، ہولی، دیوالی، بسنت، راکھی، پتنگ بازی، کبوتر بازی، بلبلوں کی لڑائی، گلہری کا بچہ، اژدہے کا بچہ، بچپن، جوانی، بڑھاپا، زندگی، آندھی، برسات، آٹا، دال، پیسا، روپیہ، مفلسی، پیٹ، تندرستی اور خوشامد جیسے موضوعات پر انھوں نے نظمیں لکھیں۔ان موضوعات کو قلم بند کرتے ہوئے انھوں نے تہواروں اور قدرتی نظاروں کو جزئیات کے ساتھ نقش کر دیا ہے۔اپنے موضوع کو شعری صورت دیتے ہوئے وہ معمولی سے معمولی جزئیات کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔جس سے مختلف واقعات و مناظر کی مکمل اور چلتی پھرتی تصویریں قاری کے سامنے آتی ہیں۔سید طلعت حسین نقوی اس امر کی تصدیق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''جزئیات نگاری کے ذریعے انھوں نے سماجی زندگی کی چلتی پھرتی اور منہ بولتی تصویریں پیش کردی ہیں۔ (۲۴)

نظیر اکبرآبادی نے اپنی نظموں میں تمثیل کاری پر بھی توجہ دی ہے۔ ''ہنس نامہ، بنجارہ نامہ، کوے اور ہرن کی دوستی'' تمثیل کاری کی مثال ہیں، ان نظموں میں تمثیل کے پیرایے میں شاعر نے اخلاقی اور نصیحت آموز بیانات سادگی کے ساتھ قلم بند کیے ہیں۔ ان تمثیلوں میں محاکات اور تصویر کاری کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ انھوں نے ہندوستان کے موسموں کو بھی اپنی نظموں کا موضوع بنایا۔ موسموں کے بیان میں مناظرِ فطرت کی تصویر کشی جس لاثانی مہارت کے ساتھ کرتے ہیں، تمکین کاظمی نے اس پر مندرجہ ذیل رائے دی ہے:

''مناظرِ قدرت نظیر کو اس قدر پسند آتے ہیں کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز کا ذکر بھی دل کھول کر کرتے ہیں۔ جاڑے پر بہت کم شعرا نے گل فشانی کی ہے۔ اپنی مفلسی کا رونا روتے ہوئے کبھی جاڑے کا ذکر آ گیا ہے تو دو آنسو جاڑے پر بھی بہائے گئے ہیں مگر نظیر نے ایک مستقل نظم جاڑے پر کہی ہے اور اس سے بہتر جاڑے کی تعریف آپ کہیں نہیں دیکھیں گے۔'' (۲۵)

صبح و شام کی مختلف کیفیتیں، چاندنی اور سحر کے دل کش نظارے اور گلابی جاڑے یعنی بسنت کے موسم کی ہوبہو تصویریں نظیر کی شاعری میں ملتی ہیں۔ وہ سردی کے موسم کی تکلیفوں اور سختیوں کا ذکر بھی جزئیات کے ساتھ کرتے ہیں۔ نظم ''اوس'' میں جس کے باعث جواذیت کا سماں پیدا ہوتا ہے، اس کو نہایت حقیقی انداز میں قلم بند کیا ہے۔ سید طلعت حسین تو اس نظم کی منظر کشی کے بارے میں یہاں تک کہتے ہیں:

''اس نظم میں نظیر نے ایسی منظر کشی کی ہے کہ نظم پڑھتے پڑھتے اوس کی کیفیت طبیعت پر طاری ہو کر جی گھبرانے لگتا ہے۔'' (۲۶)

مقامیت ان کی شاعری کا بنیادی عنصر ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری کا موضوع اور مواد ہندوستان کی ارضی فضاؤں سے لیا ہے۔ وہ تیوہاروں کے بیان میں ہندو مسلم کی قید سے آزاد ہیں، اسی لیے اپنی نظموں میں ہندوستانی تہذیب کی سچی نمایندگی اور حقیقی تصویریں پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے قلم سے اپنے اردگرد کی زندگی کو زندۂ جاوید کر دیا ہے۔ کلیم الدین احمد ان کی اس صلاحیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نظیر حقیقت طراز شاعر ہیں۔ جو چیزیں گرد و پیش میں دیکھتے ہیں، ان کی جیتی جاگتی تصویریں اتارتے ہیں اور یہ سب چیزیں خاص ہندوستان کی فضا میں سانس لیتی ہیں۔'' (۲۷)

واقعہ نگاری میں بھی نظیر اکبرآبادی کی شاعری کمال رکھتی ہے۔ وہ مختلف واقعات اور تہواروں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذکر کرتے ہوئے لفظی تصویروں کے تسلسل کے ساتھ واقعے کی مکمل شکل قاری کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ ان کی نظموں کو پڑھتے ہوئے قاری محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے اس واقعے کو دیکھ کر لطف اندوز ہورہا ہے۔ آغا محمد باقر ان کی واقعہ نگاری پر رقم طراز ہیں:

> ''واقعات کی صحیح تصویر کشی ایک کام یاب مصور کی طرح کھینچ دیتے ہیں۔ صنعتِ تجنیس کے بہت شائق ہیں۔ اکثر ایسے الفاظ لاتے ہیں جو معنوں کے ساتھ اپنی آواز سے بھی اظہارِ مطلب کرتے ہیں۔ دوراز کار تشبیہوں اور بے جا صنائع بدائع سے ان کا کلام پاک ہے۔ غالباً اسی لیے وہ واقعات و جذبات کی صحیح ترین تصویر کھینچنے میں زیادہ کام یاب ہیں۔'' (۲۸)

نظیر اکبرآبادی کی نظمیں محاکات اور شاعرانہ مصوری کے نمونوں سے معمور ہیں اور ان کی ہر تصویر اور محاکات کا ہر نمونہ ان کے کمالِ فن کا ثبوت ہے۔ سلیم جعفر اس امر کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''نظیر کی مصوری اور نقاشی کے بارے میں کچھ لکھنا تحصیلِ حاصل ہے۔ کلیات کا ہر صفحہ ان کے کاملِ فن ہونے کا شاہد ہے۔'' (۲۹)

نظیر نے جس چیز کو دیکھا اسے مصور کر دیا۔ ہر منظر کو اس کی تمام تفاصیل اور جزئیات کے ساتھ بیان کیا۔ ان کی نگاہ میں مناظر کے تمام رخ اور تمام پہلو ہیں اور وہ اپنی شاعری میں اس واقفیت کا اظہار کرتے ہیں۔ منظر نگاری ان کے ہاں زندگی کی واقعیت کو پیش کرنے کا ایک انداز ہے۔ انسانی زندگی سے ہٹ کر یہ مناظر بالذات کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کی نظموں میں جو تصاویر پیش کی گئی ہیں وہ صرف باصرہ ہی نہیں، شامہ، سامعہ، لامسہ اور ذائقہ کی حس کو بھی چھوتی ہیں۔ یہ تصویریں ساکت نہیں، متحرک نوعیت کی حامل ہیں۔ ان کی مصوری پر نیاز فتح پوری نے بہت برمحل رائے دی ہے:

> ''نظیر کی مناظر پرستی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کی نقوشِ قدرت میں وہ اپنے آپ کو بالکل گم کر دیتا تھا اور اس لیے اس کے بیان میں قیامت کی والہانہ تکمیل پائی جاتی ہے۔'' (۳۰)

مناظرِ قدرت نظیر کی نظموں میں اس تواتر کے ساتھ موجود ہیں کہ انھیں نیچرل شاعر کا نام دیا گیا۔ ان کی شاعری کے اس نیچرل بیان کی بنا پر حالی، آزاد اور اسماعیل میرٹھی نے جدید نظم کی بنیاد رکھی۔ وہ اپنی نظموں کا رشتہ زندگی سے جوڑے ہوئے تھے اور یہی وہ طرزِ فکر تھی جسے پہلے حالی اور آزاد اور پھر ترقی پسند تحریک نے اختیار کیا۔ ان کی شاعری کا مقصد معاشرت اور ماحول کی عکاسی تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے اپنے خارجی مشاہدے کو بنیاد بنایا اور ہر واقعے اور منظر کو متحرک و جامد تصویروں میں بیان کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۔ان کے ہاں تصویر کشی کا ہنر خارجی حقیقت کی پیش کش تک محدود ہے۔ انھوں نے اپنی شعری تصویروں کو کسی داخلی تجربے کے متبادل کے طور پر پیش نہیں کیا۔ یہ تصویریں خارجی مشاہدات کی عکاس ہیں اور محاکات کی روایت کو آگے بڑھانے میں معاون ہیں۔

انجمنِ پنجاب کے پس منظر میں نیچرل ازم (Naturalism) کی تحریک کے نظریات کارفرما تھے۔ محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، اسماعیل میرٹھی، قلق میرٹھی اور نظم طباطبائی وغیرہ نے شعر کو زندگی اور معاشرے سے وابستہ کرنے کے لیے کوششیں کیں۔ یوں انگریزی نظموں کے تراجم سے اردو شاعری میں اضافوں کا ایک نیا باب کھل گیا۔ اب پرانی طرز کی شاعری اور مضامینِ حسن وعشق کو چھوڑ کر مبالغے سے پاک، حقائق اور مناظرِ فطرت کی عکاسی پر مبنی شاعری کا آغاز ہوا۔ اس قسم کی شاعری کو نیچرل شاعری کا نام دیا گیا۔ (۳۱)

انجمنِ پنجاب کے تحت موضوعی مشاعرے منعقد کروائے جاتے، جن میں زبان کی سلاست اور سادگی پر زور دیا جاتا۔ ۱۹ اپریل ۱۸۷۴ء کے ایک اجلاس میں انجمنِ پنجاب کے مشاعروں کی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے محمد حسین آزاد نے کہا کہ لفظی شان وشوکت ہی شاعری نہیں۔ شاعر کو استعارات اور تشبیہات پر اپنی شاعری کی عمارت کھڑی کرنے کی بجائے بیان کی سادگی اور اصلیت کو شیوہ بنانا چاہیے۔ (۳۲) اسی اجلاس میں آزاد نے اپنی مثنوی ''شبِ قدر'' پیش کی۔ یہ مثنوی ان کے جدید خیالات کی روشنی میں لکھی گئی تھی۔ آزاد کے بعد کرنل ہال رائیڈ نے تقریر کی۔ اس تقریر سے انجمنِ پنجاب کی غایت پر روشنی پڑتی ہے۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ اردو نظم کی فرسودگی کو دور کر کے اس میں نئے مضامین اور نئی کیفیت داخل کرنے کی طرف توجہ دی جائے اور اردو کی درسی کتابوں میں نئے انداز کی اردو نظم کو شامل کیا جائے۔ انھوں نے استفسار کیا:

> ''مدارس میں ایک منتخباتِ اردو نظم، جس میں اخلاق، نصیحت اور ہر ایک کیفیت کی تصویر کھینچی گئی ہو، کیا پڑھائی میں داخل نہیں ہو سکتی۔'' (۳۳)

انجمنِ پنجاب میں اس امر پر زور دیا گیا کہ اردو شاعری سے مبالغے تشبیہات اور استعارات کے انبار نکال دیے جائیں۔ مشاعروں میں طرح مصرع دینے کے رواج کو ختم کر کے موضوعاتی انداز کی نظموں کو فروغ دیا جائے۔ (۳۴) سن وعشق کے روایتی مضامین کو ترک کر کے، جہاں تک ممکن ہو، حقائق و واقعات کو نظم کی بنیاد بنایا جائے۔ (۳۵) انجمنِ پنجاب کے تحت حکم رانوں کی تعریف کے موضوع کو فرسودہ قرار دے دیا گیا اور تراجم کی طرف توجہ مبذول ہوئی۔ (۳۶) انگریز حکومت اردو ادب میں انگریزی ادب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اثر پذیری چاہتی تھی۔ انجمنِ پنجاب کے ان مشاعروں کے ذریعے انگریزی ادب کے اثرات کو قبول کیا گیا اور اور ایسے شعرا جو انجمن سے وابستہ نہیں تھے، انھیں بھی انگریزی شاعری کی تقلید کی ترغیب دلائی گئی۔ آزاد نے اپنے کئی لیکچروں میں انگریزی نظموں سے اکتسابِ فیض کا مشورہ دیا، تاکہ اردو شاعری کو روایتی موضوعات اور محدود فضا سے نجات دلائی جا سکے۔ انگریزی شاعری سے متاثر ہو کر شاعروں نے اس کی طرز پر نظمیں لکھنے کا آغاز کیا۔ انگریزی نظموں کے منظوم تراجم بھی کیے گئے۔ قلق میرٹھی، بانکے بہاری لال، اسماعیل میرٹھی، نظم طباطبائی اور عبدالحلیم شرر نے انگریزی نظموں کے منظوم تراجم شروع کیے۔ ان میں سب سے پہلے قلق میرٹھی کا مجموعہ ''جواہرِ منظوم'' ۱۸۶۶ء میں شائع ہوا۔ ان منظوم تراجم نے جدید اردو نظم کو نئی بنیادیں فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ نظیر اکبر آبادی جس نظم کے پیش رو تھے وہ انگریزی نظم کے اثرات کے تحت ایک نئی اور واضح شکل وصورت حاصل کرنے لگی۔ نظم کی یہ نئی صورت، زندگی کی ترجمان تھی۔ نظمِ جدید کی تشکیل کے لیے انجمنِ پنجاب نے ایک واضح مرکز فراہم کر دیا تھا۔ اسی دور میں کچھ شعرا لاہور سے باہر نئی نظم کے تجربات میں مصروف تھے۔ یہ شعرا بھی انگریزی شاعری سے متاثر تھے اور اس کے اثرات کا اظہار اپنی شاعری میں کر رہے تھے۔ نادر کاکوروی، سرور جہاں آبادی، شرر لکھنوی، نظم طباطبائی، بے نظیر شاہ، اوج، شوق قدوائی، علی سجاد، علم دار حسین واسطی، سید احمد کبیر اور عظمت اللہ خان نے انگریزی ادب سے متاثر ہو کر طبع زاد نظموں اور منظوم تراجم کا آغاز کیا۔ (۳۷) انگریزی اثرات کے تحت ان نظموں میں مناظرِ فطرت کی تصویر کشی کا آغاز ہوا۔ حالی اور آزاد دونوں انگریزی ادب سے متاثر تھے۔ انگریزی سے واقفیت نہ ہونے کے سبب انھوں نے انھی منظوم تراجم اور نظموں سے استفادہ کیا۔ انجمنِ پنجاب کے شعرا نے اردو شاعری کو فطرت اور حقیقت سے قریب کرنے کے لیے قدرتی مناظر اور خارجیت کو اہمیت دی اور ان رجحانات کی حوصلہ افزائی کی جو نظم کو زندگی کے قریب کرتے ہیں۔ آزاد اور حالی نے اپنی شاعری کو حقیقی زندگی کا ترجمان ٹھہرایا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ شاعری تہذیب اور ملت کے آشوب کی عکاسی بھی کرتی ہے۔ دوسری طرف حالی اور آزاد نے مظاہرِ فطرت کی تصویر کشی اور موجودات کی عکاسی پر توجہ دی۔ (۳۸)

آزاد نے خود بھی انگریزی شاعری کے تراجم سے استفادہ کیا اور جدید نظم کو ان بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش کی۔ مناظرِ فطرت کے بیان میں وہ لفظی تصویر کشی سے منظر کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیتے ہیں۔ ان کی شاعری میں منظر نگاری اور فطرت کے مظاہر کی عکاسی کے سلسلے میں کوثر مظہری لکھتے ہیں کہ منظر نگاری اور فطرت کی عکاسی نیچرل شاعری کے لوازمات ہیں۔ آزاد، حالی اور اس تحریک سے متاثر دوسرے شعرا نے بھی کائنات اور مناظرِ قدرت کو اپنی نظموں میں پیش کیا۔ (۳۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آزاد نے اپنی نظموں میں لفظی تصویروں سے بہترین مناظر تخلیق کیے۔ کائنات کی خوب صورتی کو سچائی اور سادگی کے ساتھ بیان کیا۔ ان کی نظم ''ابر کرم'' میں فطرت کے مظاہر کی عکاسی اور شاعر کے ذاتی تاثرات کی شمولیت نے محاکات کا سماں پیدا کر دیا ہے، نظم ''سلام علیک'' فطرت کی تصویروں کا مرقع ہے۔ آزاد نے اردو نظم کو فرسودہ اور محدود مضامین اور پُرتصنع اسلوب سے نجات دلائی۔ اب جدید نظم سلاست اور سادگی کا نمونہ اور کائنات کے حسن کی عکاس ہوئی۔

حالی نے بھی موضوعاتی نظموں کے تسلسل کو آگے بڑھایا۔ یہ نظمیں اصلاحی مقاصد کے تحت لکھی گئیں اور نیچرل شاعری کے تتبع میں ان میں نیچر کا بیان یعنی مظاہرِ فطرت کی تصویر کاری نہایت خوب صورتی کے ساتھ کی گئی۔ مغربی ادب سے دل چسپی رکھنے کے باعث انگریزی نظموں کے زیرِ اثر انھوں نے نظم کو جدید اسلوب سے آشنا کیا اور اسے جدید نظم کا نام دیا۔ انجمنِ پنجاب کے مشاعروں میں حالی نے اپنی نظمیں ''برکھا رت''، ''نشاطِ امید''، ''حبِ وطن'' اور ''مناظرۂ رحم و انصاف'' پیش کیں۔ ان نظموں میں روایتی استعاراتی اسلوب کو ترک کر کے سادہ بیانی اختیار کی گئی۔ انھوں نے حقائق و واقعات کو جدید نظم کا موضوع بنایا، جزئیات نگاری سے واقعہ نگاری کو تکمیل دی اور منظر نگاری کے بیان میں لفظی تصاویر سے تاثیر پیدا کی۔

اسماعیل میرٹھی جدید نظم کے وہ شاعر ہیں، جو انجمنِ پنجاب کے قیام سے قبل ہی اس انداز کی نظمیں لکھنے کا آغاز کر چکے تھے۔ اگرچہ وہ انجمن کے مشاعروں میں شریک نہیں ہوئے لیکن آزاد اور حالی کے خیالات سے مستفید ہو کر جدید نظم کو نئی راہوں پر گام زن کرنے میں پیش پیش تھے۔ اپنی موضوعاتی نظموں میں انھوں نے انگریزی نظموں کی تقلید کے ساتھ تہذیب، ثقافت، اقدار اور روزمرہ زندگی کو موضوع بنایا۔ مظاہرِ فطرت کا بیان ان کی نظموں کا لازمی حصہ ہے۔ انھوں نے تلازمات کے استعمال سے لفظی تصویر کشی اور محاکات نگاری کی عمدہ مثالیں تخلیق کیں۔ ان کی نظم ''آثارِ سلف'' میں تہذیبی و تاریخی تلازمات کو یک جا کر کے بے مثال محاکات نگاری کی گئی ہے۔

انجمنِ پنجاب کے زیرِ اثر تخلیق کی گئی نظموں میں موضوعات کا تسلسل نظر آتا ہے۔ انجمن سے متاثر شعرا اپنی نظموں کو طوالت سے نہ بچا سکے۔ آزاد کی تقلید میں استعارے اور کنایے کو ترک کر دیا گیا تو ایجاز و اختصار بھی جاتا رہا اور تخلیقی عنصر کم سے کم ہو گیا۔ ان نظموں میں آورد کا شدید احساس ہوتا ہے۔ انجمن کے مشاعروں میں شرکت کرنے والے شاعروں میں آزاد اور حالی کے علاوہ تمام شعرا کے ہاں زبان و بیان کی بنیادی نوعیت کی غلطیاں ملتی ہیں۔ ان مشاعروں میں پڑھی جانے والی زیادہ تر نظمیں فنی اور فکری لحاظ سے اتنی کم زور ہیں کہ انھیں کسی طرح بلند پایہ شاعری نہیں کہا جا سکتا۔ عارف ثاقب اس حوالے سے لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''انجمنِ پنجاب کی تحریک مبالغے، تشبیہ، استعارے اور تصنع کے خلاف ردِ عمل تھی۔ انجمن کے مشاعروں میں فطرت کے مناظر کو قلم بند کیا گیا مگر زیادہ تر نظمیں موضوعات کی قید کی وجہ سے تخلیقی اُپج سے عاری ہیں۔ ان میں آورد کا احساس ہے۔ نصابی ضروریات کے تحت انگریزی طرز کی نظمیں لکھی گئیں۔ گو یہ نظمیں فنی اعتبار سے بہت مضبوط نہیں تھیں مگر اپنی جدت کے باعث اپنے عہد سے بہت آگے سنی جانے والی ایک سچی آواز تھیں۔''(۴۰)

انجمنِ پنجاب کی نظموں کے موضوعات کی جدت نے اردو نظم پر دور رس اثرات مرتب کیے۔ انجمن کے مشاعروں نے حقیقت نگاری کی جو صورت اختیار کی، وہ اس وقت فنی اعتبار سے کم زور ضرور تھی مگر مستقبل میں اس نے اردو نظم کو زندگی سے وابستہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس تحریک کا ایک بڑا کارنامہ مناظرِ فطرت کا بیان ہے۔ ڈاکٹر انور سدید اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''آزاد نے انجمنِ پنجاب کی تحریک پیدا کی تو اس میں حبِ وطن کے جذبے کو ہی نمایاں حیثیت حاصل ہوئی اور مظاہرِ فطرت کی فطری تصویر کشی اس تحریک کی غالب جہت بن گئی۔'' (۴۱)

انجمنِ پنجاب کے مشاعروں اور اس تحریک کے زیرِ اثر لکھی گئی نظموں میں فطرت کے بیان کو بنیادی اہمیت دی گئی اور فطرت کے خوب صورت مناظر کا عکس، لفظی تصویروں میں پیش کیا گیا۔ اس لحاظ سے تخیل کی پرواز نے انھیں رومانی اندازِ فکر کے قریب کر دیا۔ انجمن کے زیرِ اثر لکھی گئی نظموں نے اردو ادب میں رومانی طرزِ فکر کو راہ دی۔ اس تحریک کے بعد اردو نظم کے رومانی رجحان کے حامل شعرا نے مغربی رومانی شاعری کی پیروی کی اور انجمنِ پنجاب کی نظم نگاری کی مانند جمالِ فطرت کی عکاسی کرتے ہوئے حسنِ فطرت کے کامل اور حقیقی مرقعے پیش کیے۔

انجمنِ پنجاب کے بعد اپنی بھرپور انفرادی حیثیت میں علامہ اقبال ایک ایسے شاعر ہیں، جن کا کلام محاکات نگاری اور تصویر کاری کی ان گنت مثالوں سے معمور ہے۔ اقبال کی نظموں کے موضوعات: مظاہرِ فطرت کا بیان، اسلام کا شان دار ماضی، اقوامِ عالم کی سیاسی تاریخ مشرق و مغرب کے مفکرین کے فلسفے، روے زمین پر اسلام کی مضبوطی اور ملتِ اسلامیہ کی تعمیرِ نو ہیں۔ ان کے موضوعات کی ہمہ جہتی ان کی شاعرانہ تصویر کاری، محاکات نگاری اور تمثال کاری سے بھی عیاں ہے۔ زندگی کے بارے میں اقبال کا مخصوص فلسفہ اور پیغام ان کی تمام تر شاعری پر غالب ہے۔ ان کے شعری محاسن بھی اس پیغام رسانی کو عمدگی سے سرانجام دینے کا وسیلہ بنتے ہیں۔ ''بانگِ درا'' ان کا پہلا شعری مجموعہ ہے، جس میں انگریزی فطرت پسند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعرا مثلاً ورڈز ورتھ اور شیلے کے تتبع میں فطرت سے بے پناہ لگاؤ اور انسیت کا اظہار کیا گیا ہے۔ جابر علی سید اس امر کی تصدیق ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''بانگِ درا' کی ابتدائی بیسیوں نظمیں صرف اور صرف ورڈز ورتھ کے نظریہ فطرت کی صدائے بازگشت ہیں۔'' (۴۲)

مغربی شاعر ورڈز ورتھ کے زیرِ اثر انھوں نے جمالِ فطرت کو اپنی شعری تصاویر میں قید کیا۔ ''بانگِ درا'' کی نظمیں ''ایک آرزو، صبح کا ستارہ، گلِ رنگیں، حقیقتِ حسن اور حسن و عشق'' میں ورڈز ورتھ کی تقلید میں کائنات کے حسن سے شیفتگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ نظمیں محاکات نگاری کی مثالیں ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ''بانگِ درا'' کے پہلے دور کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''وہ اس دور میں مغرب کے فطرت پسند شعرا کے زیرِ اثر مناظر و مظاہرِ خارجی کی مصوری کرتے ہیں اور ان کی جمالیاتی کیفیتوں کو بھی بیان کرتے ہیں۔'' (۴۳)

فطرت کے مظاہر کی نقشہ کشی سے اقبال اپنے پیغامات کی ترسیل کرتے ہیں۔ کائنات کی قدرتی اشیا کی تصویر کشی سے ان کا مقصد عموماً محض ان اشیا کو دکھانا نہیں بلکہ یہ اشیا کسی موضوع کی طرف اشارہ کرتی محسوس ہوتی ہیں۔ ایسے مواقع پر اقبال کی نظموں میں فن کارانہ لفظی تصویریں اور محاکات کی عمدہ مثالیں سامنے آتی ہیں۔ ''بانگِ درا'' کے بعد کے مجموعوں میں اقبال کا ایک مربوط و منضبط نقطۂ نظر ان کے ہاں خاص معنی کی حامل علامتوں کی تخلیق کرتا ہے۔ ان علامتوں کی مدد سے ان نظموں میں اعلیٰ پایے کی تمثال کاری ملتی ہے۔ ڈاکٹر حامدی کاشمیری لکھتے ہیں:

''انھوں نے صرف بیانیہ ہی پر اکتفا نہ کیا، بلکہ پیکر تراشی کا حق بھی ادا کیا، اور اپنے حسیاتی اور جمالیاتی تجربوں کی بوقلمونی کا ثبوت دیا ہے، ان کی شاعری میں ایسے پیکروں کی خاصی تعداد ہے جو ایک سے زائد حواس کو متحرک کرتے ہیں۔'' (۴۴)

اقبال نے مروجہ الفاظ و تراکیب اور استعارات و علامات کو اپنے مخصوص نظریاتی معنی دے کر ان میں ایک انفرادیت پیدا کی۔ ان کے کلام میں مذہبی اصطلاحات، تلمیحات اور علامتیں تمثال کی تخلیق کا محرک بنتی ہیں تو ایک ایسی نوعیت کی تمثال کاری کا آغاز ہوتا ہے جو دبستانِ اقبال ہی سے منسوب کی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ رقم طراز ہیں:

''اقبال کی شاعری میں موج، دریا، بحر، چشمہ، حباب اور ساحل کا بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اقبال ان کے حسن آفرین پہلوؤں سے بھی متاثر ہیں۔ مگر انھوں نے اپنے نظریات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تشریح کے لیے ان سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔'' (۴۵)

اقبال نے اپنے نظریات کے ابلاغ کے لیے اپنی مخصوص علامتوں سے تمثالوں کی تخلیق کی ہے۔ بانگِ درا کے پہلے حصے کی نظموں کی تصویر کاری اگلے حصوں اور آیندہ مجموعوں میں پیچیدہ علامتی طرزِ بیان کی بدولت تمثال کاری کی طرف سفر کرتی محسوس ہوتی ہے۔ ان کی تمثالیں اسلامی تاریخ اور مذہبی اساطیر کی نقشہ کشی کرتی ہیں۔ عالمِ اسلام کی تصویر کشی سے وہ اپنے نظریات کے ابلاغ کا کام لیتے ہیں۔ تاریخی واقعات و تلمیحات کو وہ اپنے نئے انداز میں اس طرح تصویروں میں زندہ کرتے ہیں کہ یہ قاری پر بھرپور انداز میں اثر انداز ہوتی ہیں۔ ضربِ کلیم، آتشِ نمرود، اولادِ ابراہیم، جلوۂ طور، یدِ بیضا، خضر اور عصائے موسیٰ جیسی تلمیحات سے انھوں نے مذہبی تاریخ کی حامل تمثالیں تخلیق کی ہیں۔ یہ تمثالیں اسلام کی روح کو از سرِ نو بیدار کرنے کی سعی ہیں۔

اقبال کی نظموں میں تمثال کاری کا ذریعہ بننے والی علامتوں کے پسِ پشت ان کا فلسفہ کارفرما ہے۔ ان کے بنیادی نظریات خودی، بے خودی، خیر و شر، عقل و دل، شاہین اور مردِ مومن کی تفہیم کے بعد ان علامتوں کی گرہ کشائی آسان اور دل چسپ عمل بن جاتی ہے۔ تمثال کاری کے ضمن میں اقبال کی شعری قابلیت اپنا جادو جگاتی ہے اور ان کی تمثالیں اپنے منفرد اسلوب و موضوعات کی بدولت قاری کو اپنا اسیر کر لیتی ہیں۔ ان کا رسا تخیل نادر تشبیہات، استعارات اور علامات کی مدد سے ایسی انوکھی اور تازہ تمثالیں سامنے لے کر آتا ہے کہ قاری اقبال کے فن کا قائل ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر توقیر احمد خان اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''اقبال کی امیجری کو ان کے تخیل نے رفعت بخشی اور ان کے تخیلِ ارفع کو ان کی امیجری نے بلند کیا ہے، جو عالمِ اسلام کی تاریخ اور تہذیبِ انسانی کے تمام سرچشموں سے سیراب ہو کر سرسبز و شاداب ہوئی ہے اور ان کی شاعری میں نہ صرف عشق، خودی، شاہین اور مومن جیسے کلیدی پیکر وضع کیے ہیں بلکہ ان پیکروں کے گرد بھی متعدد ذیلی پیکروں کا ہالہ پیدا کیا ہے اور یہ تمام پیکر ایک دوسرے سے مل کر پھر ایک کارگر خوش نما گل دستہ تیار کرتے ہیں، جس سے اقبال کی شاعری کو دل آویزی، ندرت، اعجاز و ایجاز، اثر اور سحر آفرینی کی شان نیز شعری حسن اور فکری ترفع حاصل ہوا ہے۔'' (۴۶)

علامہ اقبال کا مطمحِ نظر شعر سے اپنے افکار و نظریات کی ترسیل اور امتِ مسلمہ کی اصلاح تھا۔ صنائع بدائع کا استعمال ان کی اولین ترجیح نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کا زیادہ تر حصہ بیانیہ ہے۔ اس کے باوجود ان کے ہاں مناظرِ فطرت کی تصویر کاری، واقعہ نگاری، کردار نگاری، تمثال نگاری اور محاکات نگاری کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمدہ نمونے دست یاب ہیں۔

بیسویں صدی اپنے ساتھ رومانی تحریک کو لے کر آئی۔ رومانی اسلوب میں جمالیاتی قدروں کا احساس شاعری میں تصویر کاری اور محاکات کی تخلیق کا باعث بنتا ہے۔ اردو شاعری میں رومانیت کو فروغ دینے والے اہم ترین شعرا اختر شیرانی، عظمت اللہ خان، حفیظ جالندھری اور جوش ملیح آبادی ہیں۔

اختر شیرانی اردو کے ایسے شاعر ہیں، جن کی تمام شاعری کا مرکز و محور رومانیت ہے۔ ان کے مجموعہ ہائے کلام ''صبحِ بہار''، ''اختر ستان''، ''لالۂ طور''، طیورِ آوارہ'' اور ''شہناز'' وغیرہ میں ایسی غزلیں اور نظمیں نہ ہونے کے برابر ہیں، جن کا تعلق رومانیت کے ساتھ نہ ہو۔ برطانوی شاعر ورڈز ورتھ کی طرح انھوں نے اپنی نظموں میں عورتوں کے ناموں کا کھلا استعمال کیا۔ ان کی شاعری عورت اور اس کے حسن کے جلووں کی فضا میں رچی بسی ہوئی ہے، جسے وہ اپنے جذبات و احساسات کا رنگ دے کر لفظی تصویروں میں منعکس کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سرور احمد ان کی نظموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''جمالِ عذرا'، 'آہ وہ راتیں' اور 'جہاں ریحانہ رہتی تھی' نظموں میں اور خاص کر 'عورت' میں نسوانی حسن و جمال، عشوہ و ادا اور نزاکت کے دل آویز مرقعے کھینچے ہیں۔'' (۴۷)

اختر شیرانی اپنی رومانی کائنات میں صرف نسوانی حسن کی تصویر کشی تک محدود نہیں رہتے بلکہ حسن و عشق کی واردات، مختلف مواقع اور قدرتی مناظر کے بیان میں بھی ان کا یہ وصف عیاں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن ان کی شاعری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''وہ رقص کی محفلوں کا خاکہ کھینچتا ہے، مناظرِ فطرت کی عکاسی کرتا ہے، حسن و عشق کے معاملات کی تصویریں کھینچتا ہے۔'' (۴۸)

اختر شیرانی کی نظموں میں ہندوستانی تہذیب و تمدن، مختلف تہواروں، موسموں، منظروں اور ثقافت کا بیان بھی محاکات نگاری کی مثالیں پیش کرتا ہے۔

عظمت اللہ خان کی شاعری کا بنیادی موضوع عورت اور مرد کی محبت ہے۔ اگرچہ انھوں نے شاعری کی طرف بھرپور توجہ نہیں دی لیکن رومانی شاعری میں انھیں خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کا واحد مجموعۂ کلام 'سریلے بول'' ہے، جس میں شامل کُل چھتیس نظموں میں سے نو نظمیں ایسی ہیں جو انگریزی سے ترجمہ کی گئی ہیں۔ ان کی نظموں پر چھوٹے چھوٹے منظوم افسانوں کا گمان ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنی نظموں کے مضمون اور ہیئت دونوں میں رومانیت کا اظہار کیا ہے۔ ان کی نظموں میں عورت اپنے حقیقی وجود کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ ہندوستانی تہذیب کے مطابق ان کی شاعری میں عورت کی طرف سے اظہارِ عشق ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ان کی بعض نظموں میں عورت کی تصویر عشرت و ترنگ اور بعض میں قنوطیت اور اداسی کے رنگوں میں لپٹی ہوئی ہے۔اختر شیرانی کی عذرا اور سلمیٰ وغیرہ کی طرح انھوں نے زبیدہ کا نسوانی پیکر پیش کیا۔ڈاکٹر وزیر آغا ان کی شاعری پر رائے دیتے ہوئے ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس میں عورت کے سراپا کو بیان کرنے کا میلان ہی زیادہ قوی ہے۔'' (۴۹)

سراپا نگاری کے علاوہ انھوں نے اپنی نظموں میں معاشرت کی عکاسی بھی کی ہے اور مختلف مواقع اور قدرتی مناظر کی لفظی تصویریں کھینچی ہیں۔

جوش ملیح آبادی اپنے اولین مجموعۂ کلام ''روحِ ادب'' میں ایک رومانی شاعر کے طور پر سامنے آئے۔اس مجموعے میں ایک رومانی شاعر کی طرح وہ انفرادیت پر زور دیتے نظر آتے ہیں۔ان کے ہاں مشاہدے کی نسبت تخیل کی کارفرمائی کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔تخیل کی مدد سے وہ مناظرِ فطرت کی تصویر کشی کرتے ہیں،نسوانی حسن کی بھرپور تصویریں بھی ان کی شاعری میں جلوہ گر ہیں۔ان کے فن میں جذبے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔شاعرِ شباب کے ساتھ ان کی ایک نمایاں حیثیت شاعرِ انقلاب کی بھی ہے۔آغاز میں وہ ایک خالص رومانی شاعر تھے،بعد میں انھوں نے ترقی پسندانہ خیالات اپنا لیے لیکن اپنی شاعری کے ہر دور میں وہ رومانی شاعری بھی کرتے رہے۔ان کا اسلوب بلند آہنگ اور گرج دار ہے۔ڈاکٹر محمد خان اشرف، جوش کے متعلق لکھتے ہیں:

''وہ اصل میں بیان،لفظوں،تشبیہوں،استعاروں،تصویر کشی،پیکر تراشی،جمالیاتی حس اور ماورائی تخیل کے شاعر ہیں۔'' (۵۰)

ان کی نظم ''جنگل کی شہزادی میں نسوانی حسن کی بھرپور اور دل کش تصویر کشی کی گئی ہے۔ڈاکٹر محمد حسن کے بہ قول: ''حسن کی جس قدر مکمل تصویریں جوش نے بنائی ہیں وہ اردو میں نایاب ہیں۔''(۵۱)

حفیظ جالندھری کے تمام شعری مجموعے رومانیت کی جھلکیاں پیش کرتے ہیں لیکن ان کا پہلا مجموعۂ کلام ''نغمہ زار'' رومانی نقطۂ نظر سے خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے ان کی نظموں میں رومانیت کا اظہار بہ خوبی ہوا ہے۔ترنم اور موسیقیت کی لہریں ان کی شاعری کے رومانی تاثر کو بھرپور بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔حفیظ جالندھری کی نظموں اور گیتوں میں جام و مے،حسن و عشق اور شباب کی رعنائیاں،فطری مناظر کی آغوش میں دل کش تصویروں اور پُر کیف نغمگی کے ساتھ نمایاں ہوتی ہیں۔ڈاکٹر محمد خان اشرف لکھتے ہیں:

''جس وارفتگی اور والہانہ پن سے حفیظ نے مناظرِ فطرت کی تصویر کشی کی ہے وہ بے مثال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ان کی نظموں میں فطرت کی تصویر کشی اپنے پورے حسی جمال، رنگ و بو اور نکہت و نور کے ساتھ موجود ہے۔جس کو حفیظ کی غنائیت اور تخیل آمیزی نے دوآتشہ بنا دیا ہے۔"(۵۲)

حفیظ جالندھری کے اسلوب میں تصویر کشی اور محاکات نگاری کے رجحان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر حامدی کاشمیری ان کی نظم "تصویرِ کشمیر" کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"تصویرِ کشمیر، کشمیر کی خوب صورتی پر لکھی گئی مدحیہ نظموں کی طرح محض ایک قصیدہ نہیں بلکہ اس میں فطرت کے حسین اور متنوع نظاروں کی تصویر کشی کے ساتھ ساتھ اہلِ کشمیر کی مجبور اور مفلوک الحال زندگی کی مصوری درد، خلوص اور سچائی سے کی گئی ہے۔" (۵۳)

حفیظ جالندھری کی نظموں "راوی میں کشتی"، "ہمالیہ"، "شامِ رنگین"، "کرشن کنہیا"، "کاہن کا گیت" اور "پرانی بسنت" کا حوالہ دیتے ہوئے کوثر مظہری لکھتے ہیں کہ ان سب نظموں میں شاعر کے جذبے کی آنچ اور اس کے مصورانہ ذہن میں ہم آہنگی نظر آتی ہے۔(۵۴)

مذکورہ شعرا کے علاوہ رومانی تحریک کے اہم شاعروں میں خوشی محمد ناظر، نادر کاکوروی، برج نارائن چکبست، سرور جہاں آبادی اور غلام بھیک نیرنگ کے نام شامل ہیں۔

خوشی محمد ناظر کے ہاں قدرتی مناظر کے ساتھ والہانہ شیفتگی ملتی ہے۔فطری نظاروں کی مصورانہ پیش کش ان کے گہرے مشاہدے کی دلیل بن کر سامنے آتی ہے۔ڈاکٹر محمد خان اشرف کے بہ قول:

"انھوں نے اپنی نظموں میں مناظرِ فطرت خاص کر کشمیر کے نظاروں کی تصویر کشی کی۔"(۵۵)

نادر کاکوروی کو انگریزی زبان پر عبور حاصل تھا۔انھوں نے انگریزی کے رومانی شعرا کی نظموں کے منظوم تراجم سے شہرت حاصل کی۔ چکبست نے حبِ وطن کے موضوع پر نظمیں لکھیں۔سرور جہاں آبادی نے بھی حب الوطنی کو موضوع بنایا۔غلام بھیک نیرنگ نے سبزہ وگل اور کوہ و دشت میں دل چسپی لی۔ان سب شعرا کے کلام میں تصویر کاری اور محاکات کی مثالیں موجود ہیں۔

حامد اللہ افسر، روش صدیقی، ساغر نظامی، الطاف مشہدی اور احسان دانش کو بھی اردو کے رومانی شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ان شعرا کا کلام رومانی فکر و اسلوب کی خصوصیات لیے ہوئے ہے۔

رومانی شاعر، ادیب اور نقاد فن پارے کی جمالیاتی قدروں پر خاص توجہ رکھتا ہے۔رومانی شاعر کے ہاں تغزل اور ترنم کے ساتھ اسلوب کی زیبائش اور اظہار کی خوب صورتی لفظی تصویروں کو جنم دیتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رومانی شاعری اپنے پس منظر میں جس شعری روایت کو چھوتی اور چھوڑتی ہوئی آگے بڑھتی ہے، اُس میں تصویر کاری اور محاکات کا رجحان اگر جھلکیوں کی صورت میں ہے تو رومانیت میں یہ رجحان ایک نئے اور منفرد انداز کے ساتھ، نکھر سنور کر زیادہ واضح صورت میں سامنے آتا ہے۔

غرض یہ کہ دیگر زبانوں کی شاعری کی طرح اردو شاعری کے آغاز ہی سے تصویر کاری اور محاکات کا رجحان دکھائی دیتا ہے۔ مثنوی، مرثیے اور قصیدے میں منظر نگاری، واقعہ نگاری، معاشرت کی عکاسی، معاملاتِ رزم و بزم اور فطرت نگاری کے ضمن میں تصویر کاری اور محاکات نگاری کا رجحان غالب انداز میں ملتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی نے مشاہدات کی اشیا کو جزئیات کے ساتھ جامد و متحرک تصویروں میں پیش کیا۔ انجمنِ پنجاب کے تحت انگریزی شاعری کے اثرات کو قبول کرتے ہوئے مناظرِ فطرت کی حامل شاعری کو رواج دیا گیا۔ علامہ اقبال ایک ایسے شاعر ہیں، جن کا کلام محاکات نگاری اور تمثال کاری کی ان گنت مثالوں سے معمور ہے۔ ان کے ہاں جمالِ فطرت، تلمیحات اور مذہبی پس منظر کی حامل تمثالوں کا نوع بہ نوع انداز ملتا ہے۔ بیسویں صدی میں رومانی تحریک کے زیرِ اثر جمالیاتی قدروں کا احساس شاعری میں تصویر کاری اور محاکات کی تخلیق کا باعث بنا۔ رومانی شاعروں نے اسلوب کی زیبایش اور اظہار کی خوب صورتی سے ایسی لفظی تصویریں وضع کیں، جو احساسات کی آمیزش کے ساتھ تمثال کاری کی حدوں کو چھونے لگتی ہیں۔ اس تحریک نے تصویر کاری اور محاکات نگاری کی روایت کو مستحکم کرتے ہوئے تمثال کاری کی طرف قدم بڑھایا۔

❁......❁......❁

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات وحواشی

۱۔ شبلی نعمانی۔ شعر العجم، جلد چہارم۔اعظم گڑھ: مطبع معارف،۱۹۲۳ء۔ص ۶،۷

۲۔ ایضاً۔ص ۲۴

۳۔ خواجہ حمیدالدین با اشتراک ڈاکٹر تبسم کاشمیری۔''ادبیاتِ گولکنڈہ''مشمولہ تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان وہند،چھٹی جلد۔لاہور: پنجاب یونی ورسٹی،۱۹۷۱ء۔ص ۴۱۳

۴۔ امداد امام اثر۔ کاشف الحقائق،جلد دوم۔لاہور: مکتبہ معین الادب،۱۹۵۶ء۔ص ۳۰۴

۵۔ عبدالقادر سروری۔اردو مثنوی کا ارتقا۔کراچی:صفیہ اکیڈمی،۱۹۸۶ء۔ص ۱۱۷

۶۔ امیر احمد علوی۔''اردو کی مشہور مثنویاں'' مشمولہ اردو شاعری کا فنی ارتقا (مرتب:فرمان فتح پوری)۔لاہور:الوقار پبلی کیشنز،۱۹۹۷ء۔ص ۱۷۴

۷۔ سید عابد علی عابد۔اصولِ انتقادِادبیات۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۶ء۔ص ۳۹۳

۸۔ پروفیسر احسان الحق۔''مقدمہ''مشمولہ گلزارِنسیم از پنڈت دیا شنکر نسیم۔لاہور:ادبی لائبریری، ۱۹۶۹ء۔ص ۵

۹۔ ''اردو کی مشہور مثنویاں''مشمولہ اردو شاعری کا فنی ارتقا۔ص ۱۷۹

۱۰۔ ایضاً۔ص ۱۸۱

۱۱۔ اصولِ انتقادیاتِ ادبیات۔ص ۵۵۶

۱۲۔ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی۔''اردو مرثیہ اور میر انیس''مشمولہ اردو شاعری کا فنی ارتقا۔ص ۲۷۱

۱۳۔ ایضاً۔ص ۲۷۵

۱۴۔ آغا محمد باقر۔تاریخ نظم ونثرِ اردو۔لاہور: شیخ مبارک علی اینڈ سنز،۱۹۵۰ء۔ص ۸۹

۱۵۔ اصولِ انتقادیاتِ ادبیات۔ص ۴۴۸

۱۶۔ ڈاکٹر مظفر حسن ملک۔اردو مرثیے میں مرزا دبیر کا مقام۔لاہور:مقبول اکیڈمی،۱۹۷۶ء۔ص ۲۵۳

۱۷۔ ایضاً۔ص ۲۵۸

۱۸۔ اصولِ انتقادِادبیات۔ص ۳۵۵،۳۵۶

۱۹۔ مولانا ضیا احمد بدایونی۔''ایوانِ قصیدہ کے ارکانِ اربع''مشمولہ اردو شاعری کا فنی ارتقا۔ص ۲۲۳

۲۰۔ ایضاً۔ص ۳۲۸

۲۱۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی۔''سودا اور ذوق بہ حیثیت قصیدہ نگار''مشمولہ اردو شاعری کا فنی ارتقا۔ص ۲۵۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۲۔ کاشف الحقائق، جلد دوم۔ص ۲۷۰

۲۳۔ ایضاً۔ص ۲۵۸

۲۴۔ سید طلعت حسین نقوی۔ نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۴ء۔ص ۲۱

۲۵۔ تمکین کاظمی۔ ''نظیر کا نظریۂ حسن و عشق'' مشمولہ نگار، ماہ نامہ۔ لکھنؤ: اگست ۱۹۴۴ء۔ص ۲۳

۲۶۔ نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری۔ص ۴۶

۲۷۔ کلیم الدین احمد۔ اردو شاعری پر ایک نظر۔ پٹنہ: عظیم پبلشنگ ہاؤس، س ن۔ص ۳۹

۲۸۔ آغا محمد باقر۔ تاریخ نظم و نثر اردو۔ لاہور: شیخ مبارک علی اینڈ سنز، ۱۹۵۰ء۔ص ۹۹

۲۹۔ سلیم جعفر۔ ''نظیر اکبر آبادی کا تغزل'' مشمولہ زمانہ، ماہ نامہ۔ کان پور:۔ جولائی ۱۹۴۳ء۔ص ۸

۳۰۔ نیاز فتح پوری۔ ''نظیر میری نظر میں'' مشمولہ نظیر نامہ (مرتب: شمس الحق عثمانی)۔ دہلی: صبوحی پبلی کیشنز، ۱۹۷۹ء۔ص ۱۰۱

۳۱۔ کوثر مظہری۔ جدید نظم (حالی سے میرا جی تک)۔ نئی دہلی: مظہر پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء۔ص ۴۱

۳۲۔ ڈاکٹر عارف ثاقب۔ انجمنِ پنجاب کے مشاعرے۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء۔ص ۳۴

۳۳۔ ایضاً۔ص ۳۵

۳۴۔ تبسم کاشمیری۔ ''دیباچہ'' مشمولہ نظم آزاد از مولانا محمد حسین آزاد (مرتب: تبسم کاشمیری)۔ لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۸ء۔ص ۱۸

۳۵۔ ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی۔ ''دیباچہ'' مشمولہ مثنویاتِ حالی (مرتب: ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی)۔ لکھنؤ: اردو بک ڈپو، ۱۹۶۰ء۔ص ۱۹

۳۶۔ ڈاکٹر سلیم اختر۔ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء۔ص ۳۰۶

۳۷۔ ڈاکٹر ناظر حسین زیدی۔ ''دیگر شعرا'' مشمولہ تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاک و ہند (جلد نہم)۔ لاہور: پنجاب یونی ورسٹی، ۱۹۷۲ء۔ص ۲۷۲

۳۸۔ ڈاکٹر سہیل احمد خان۔ ''قومی اور ملی شاعری'' مشمولہ تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاک و ہند (جلد نہم)۔ص ۳۰۰

۳۹۔ کوثر مظہری۔ جدید نظم (حالی سے میرا جی تک)۔ نئی دہلی: مظہر پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء۔ص ۸۴

۴۰۔ انجمنِ پنجاب کے مشاعرے۔ص ۵۴، ۵۵

۴۱۔ ڈاکٹر انور سدید۔ اردو ادب کی تحریکیں۔ کراچی: انجمن ترقیِ اردو پاکستان، طبع دوم، ۱۹۹۱ء۔ص ۳۷۳

۴۲۔ جابر علی سید۔ اقبال۔ ایک مطالعہ۔ لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۵ء۔ص ۳۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۳۔ ڈاکٹر سید عبداللہ۔ مقاماتِ اقبال۔ دہلی: چمن بک ڈپو، ۱۹۷۶ء۔ص ۳۲

۴۴۔ ڈاکٹر حامد کاشمیری۔ حرفِ راز۔ اقبال ایک مطالعہ۔ دہلی: ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۳ء۔ص ۱۲۴

۴۵۔ مقاماتِ اقبال۔ص ۱۶

۴۶۔ ڈاکٹر توقیر احمد خان۔ اقبال کی شاعری میں پیکر تراشی۔ نئی دہلی: لبرٹی آرٹ پریس، ۱۹۸۹ء۔ص ۲۴۴

۴۷۔ ڈاکٹر سرور احمد۔ اردو اور ہندی رومانوی شاعری میں علامتوں کا مطالعہ۔ نئی دہلی: معیار پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء۔ص ۹۹

۴۸۔ ڈاکٹر محمد حسن۔ اردو ادب میں رومانوی تحریک۔ ملتان: کاروانِ ادب، ۱۹۹۳ء۔ص ۶۲

۴۹۔ ڈاکٹر وزیر آغا۔ اردو شاعری کا مزاج۔ لاہور: مکتبہ عالیہ، طبع ششم، ۱۹۹۹ء۔ص ۳۵۹

۵۰۔ ڈاکٹر محمد خان اشرف۔ رومانویت اور اردو ادب میں رومانوی تحریک۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء۔ص ۲۱۲

۵۱۔ اردو ادب میں رومانوی تحریک۔ص ۶۷

۵۲۔ رومانویت اور اردو ادب میں رومانوی تحریک۔ص ۲۰۹

۵۳۔ ڈاکٹر حامدی کاشمیری۔ جدید اردو نظم اور یورپی اثرات۔ دہلی: مجلس اشاعتِ ادب، ۱۹۶۸ء۔ص ۳۲۵

۵۴۔ جدید نظم حالی سے میرا جی تک۔ص ۲۰۲

۵۵۔ رومانویت اور اردو ادب میں رومانوی تحریک۔ص ۲۰۸

© rasailojaraid.com